سلسلہ مطبوعات (٦٦)

عزیمت

سیریز نمبر 9

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

سلسلہ مطبوعات ۲۶

عزیمت

سیریز نمبر 9

زیرسرپرستی

مفکر کتاب و شریعت، شیخ تزکیہ و طریقت، رہبر سیاست و عزیمت، داعی شعور و حکمت

حضرت مولانا

شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی

مسندنشین خانقاہ عالیہ رحیمیہ قادریہ عزیزیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن

مدیر

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد

مجلس ادارت

جناب محترم محمد اسلوب قریشی

محترم سید اصغر علی شاہ بخاری

مفتی مولانا عبدالمتین نعمانی

ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی

مولانا محمد مختار حسن

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن
پوسٹ بکس نمبر 938
پوسٹ آفس گلگشت ملتان

پیش کش

رحمت عالم ﷺ اور دین وحدت کے بنیادی اصول

مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ 5

شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ

ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر 12

جہاد کا نبوی فلسفہ اور حکمت عملی

محمد سعید اختر 19

رحمت عالم ﷺ اور دین وحدت کے بنیادی اصول

مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی مندرجہ تقریر ماہنامہ الاحرار لاہور کو سہ روزہ "مدینہ" بجنور اشاعت اپریل ۱۹۶۴ء کے ذریعے حاصل ہوئی قاری صاحب رحمۃ اللہ نے یہ تقریر رحمت عالم کانفرنس منعقدہ دہلی میں فرمائی۔ (ادارہ)

نبوت کا حقیقی کمال رسالت اور ہدایت ہے عبادت، نبی اور رسول کی فطرت ہوتی ہے اس کا اصلی کمال نہیں ہوتا ایک رسول منصب رسالت پر فائز ہونے سے پہلے بھی اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور اس جہان فانی سے پردہ کرنے کے بعد بھی اس کی بندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کیونکہ عبادت اس کی فطرت ٹھہری۔

اصل کمال ایک نبی کا یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو کس وسعت اور کثرت کے ساتھ خدا کا پیغام پہنچاتا ہے اور اس کے ذریعہ خدا کا دین کس قدر پھیلتا ہے دین حق کی اشاعت اور بندگان الٰہی کی ہدایت ہی دراصل ایک رسول کے کمالات کا صحیح پیمانہ ہے۔

اس لحاظ سے رحمت عالم کو تمام رسولوں میں بلند و برتر مقام ملتا ہے اور تمام رسولوں کی صف میں افضل و اعظم رسول قرار پائے ہیں کیونکہ رحمت عالم ﷺ ایک آدم اور ایک دور کے رسول نہیں ہیں بلکہ تمام قوموں کے رسول ہیں اور ہر دور کے لئے آپ کا لایا ہوا دین ہدایت اور سعادت، آخری اور مکمل قانون ہے۔ ایک عالمگیر دین کے لئے ضروری تھا کہ اس میں قومی اور بین الاقوامی اتحاد کی بنیادیں مضبوط ہوں تا کہ رنگ و نسل کے اختلاف اور جغرافیائی اور وطنی حدود کی حلقہ بندیاں تمام انسانوں کو ایک دین کی کڑی میں منسلک ہونے سے نہ روکیں اور تمام انسانوں میں مذہب وعقائد کی وحدت پیدا ہو جائے اور ہر رنگ و نسل کا انسان اور ہر خطہ زمین کا رہنے والا اتحاد کے

اسلامی اصولوں پر چل کر رحمت عالم ﷺ کی قیادت پاک میں متحد و منظم نظر آئے اور رنگ و نسل اور قوم وطن کے نام پر جو قتل و غارت گری، آدم کی اولاد میں برپا تھی وہ باقی نہ رہے۔

رحمت عالم ﷺ نے اتحاد کے چند اصول پیش فرمائے یہ اصول فطرت اور حکمت کے عین مطابق ہیں۔ یہ اصول محض نظریات ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ نے ان اصولوں پر عملاً ایک معاشرہ بنایا اور اس معاشرہ نے اپنے کردار و عمل سے دنیا کی تمام قوموں کو اتحاد و یک جہتی کا سبق دیا۔

پہلا اصول......دعوت عام

اختلاف اور بھید بھاؤ کی پہلی بنیاد یہ تھی کہ اب تک ہدایت اور نجات مختلف قوموں میں الگ الگ بٹی ہوئی تھی، تورات کی ہدایت صرف یہودیوں میں محدود تھی، انجیل بھی صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو آواز دے رہی تھی، ہندوستان میں روحانیت کی جو روشنی تھی وہ بھی صرف ہندوستان کے رہنے والوں کی نجات اور مکتی کا سامان تھی۔

لیکن رحمت عالم ﷺ نے ہدایت کا جو پیغام دیا وہ ساری دنیا کے لئے تھا قرآن کریم نے کسی ایک قوم کو نہیں پکارا صرف کسی ایک خاندان کو روشنی نہیں دکھائی۔ بلکہ قرآن پاک نے ہدایت اور نجات کا دروازہ دنیاں کی تمام قوموں کے لئے کھول دیا قرآن کریم نے کہا کہ اب دنیا کی قومیں الگ الگ راستوں پر چل کر نجات نہیں پاسکتیں بلکہ اب نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ دین فطرت ہے۔ اسلام کی دعوت عام دنیائے انسانیت کے اتحاد کی طرف پہلا قدم تھا۔

دوسرا اصول......مذہبی و قومی پیشواؤں کا احترام

دنیا کی قوموں میں باہمی لڑائی جھگڑے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایک قوم دوسری قوم کے مذہبی اور قومی پیشواؤں کی توہین کرتی ہے مذہبی پیشواؤں کی بے عزتی قوموں کے

اندر پھیلی ہوئی تھی، رحمت عالم ﷺ نے اس توہین کا سلسلہ بالکل بند کرایا۔ اور خدا اور رسول پر ایمان لانے کی طرح یہ بھی ضروری قرار دیا کہ تمام مذہبی پیشواؤں پر ایمان لایا جائے اور سب کو عزت واحترام کے ساتھ یاد کیا جائے، مذہبی رہنماؤں کی توہین کو قرآن کریم نے گناہ قرار دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہر قوم اور ملک میں رسول آتے رہے ہیں کچھ رسول ایسے ہیں جن کا نام قرآن کریم میں موجود ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود نہیں ہے۔ (سورۃ النساء)

قران کریم کے پہلے مخاطب یعنی عرب جن رسولوں کے نام سے واقف تھے قرآن کریم نے ان کے عبرت انگیز واقعات عرب قوم کو سنادئے لیکن جن رسولوں سے وہ واقف نہیں تھے انکا ذکر نہیں کیا مثلاً فارس والوں میں خدا کے رسول آئے تاریخ میں گل شاہ گل زارشاہ جیسے فارسی نام آتے ہیں لیکن چونکہ عرب میں یہ حضرات متعارف نہیں تھے اس لئے ان کے نام قرآن کریم میں نہیں آئے ہندوستان کو لیجئے ہندوستان نبوت کا دارالخلافہ ہے یہاں سے سب سے پہلے رسول آدمؑ تشریف لائے حضرت شیثؑ دوسرے رسول تھے ان کی قبر شریف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اجودھیا میں ہے، نقشبندیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے اپنے کشف کے ذریعہ معلوم کیا کہ سرہند پنجاب میں دو رسولوں کی قبریں ہیں، دیوبند کے پہلے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدینؒ کا گزر جب اس مقام پر ہوا جہاں آج مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کا مزار ہے اس وقت وہاں کھیت تھے آپ نے وہاں کھڑے ہوکر فرمایا مجھے یہاں نبوت کے انوار محسوس ہوتے ہیں اس جگہ کسی رسول کا مزار ہے حضرت نانوتوی نے اپنی بعض تالیفات میں لکھا ہے کہ رام چندر جی اور کرشن جی کے ناموں کے ساتھ گستاخی نہ کی جائے۔ اگرچہ ہم تیقن کے ساتھ ان کو رسول نہیں کہہ سکتے مگر ہوسکتا ہے کہ یہ حضرات رسول ہوں اوران کی تعلیمات دوسرے رسولوں کی طرح مسخ ہوگئی ہوں بہرحال قرآن کریم نے مذہبی پیشواؤں کی توہین کرنے سے روکا ہے قرآن حکیم کے اس اصول نے تمام قوموں کے درمیان رواداری اور خیرسگالی کے جذبات پیدا کئے اور جھگڑے کی ایک بہت بڑی بنیاد کو منہدم کردیا۔

تیسرا اصول......رائے ضمیر و مذاہب کی آزادی

اپنے مذہب اور اپنے نظریات کو دوسرے پر زبردستی ٹھونسنے کا طریقہ بھی لڑائی دنگے کا بہت بڑا سبب تھا، مذہب کی اشاعت تلوار کے ذریعے جب کی جائے گی اس سے فسادات اور اختلافات کا دروازہ کھلے گا، رحمت عالم ﷺ نے اس دروازہ کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ آپ نے رائے ضمیر اور مذہب کی آزادی کا اصول پیش کیا اور مذہب کے لئے جبر و اکراہ ممنوع قرار دیا، حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ اور حضرت علیؓ کو یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ کیا اور چلتے وقت نصیحت فرمائی کی نرمی اور پیار محبت سے دین کا پیغام پیش کرنا۔ اسلام نے اگر تلوار اٹھانے کی اجازت دی ہے تو شر و فساد کو دور کرنے کے لئے دی۔ قریش نے جب آپ کے راستہ میں روڑے اٹکائے اور تلوار نکال کر آپ کے سامنے آگئے تا کہ آپ کو دین کی اشاعت سے روکیں تو اس وقت آپ نے ان کے جواب میں تلوار اٹھائی۔

چوتھا اصول......ظلم کا خاتمہ اور عدل کا قیام

طاقتور طبقہ کا کمزوروں پر ظلم کرنا اور ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا بھی لڑائی دنگے کا بڑا سبب تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول دنیا کے اتحاد اور امن کے لئے زبردست چیلنج ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے سیاسی ظلم کی جگہ عدل و انصاف کا اصول پیش کیا۔ اسلام نے ذمی (غیر مسلموں) کو جو مراعات دیں اور حضور ﷺ نے اس کمزور طبقہ کی جان و مال اور مذہب و آبرو کی حفاظت کیلئے جو قوانین نافذ کئے وہ اسلامی عدل و انصاف کا روشن نمونہ ہے۔

ذمی طبقہ اسلامی حکومت کی وہ مذہبی اقلیت ہے جو اسلام کا سیاسی اقتدار تسلیم کر کے اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کے ساتھ پر امن زندگی گزارنے کا عہد کرتا ہے اسلام اس غیر مسلم طبقہ کی جان و مال اور تہذیب و ثقافت کی پوری ذمہ داری لیتا ہے اور مسلمانوں کی طرح ان کو برابر کے حقوق دیتا ہے ان کا خون ہمارے خون کی طرح ہے اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہے اسلامی اقتدار کے دور میں کسی مسلمان کو یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی غیر مسلم کی جان و مال

پر ہاتھ ڈال دے یا ان کی مذہبی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کرے ہر غیر مسلم پوری آزادی کے ساتھ اپنے کلچر اور اپنی تہذیب کی ترقی کے لئے پر امن طریقے اختیار کر سکتا ہے اور اسے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے اتنی آزادی ملنے کے بعد کوئی طبقہ کمزور اور پسماندہ نہیں رہ سکتا اور ہر طبقہ کو وہی طاقت حاصل ہو جاتی ہے جو مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے اسلام کا یہی وہ سیاسی انصاف تھا جسے دیکھ کر دنیا کی قوموں نے اسے گلے لگایا اور صحابہ کرام جہاں پہنچے وہاں کی امن پسند آبادی نے ان کا خیر مقدم کیا۔

پانچواں اصول......احترام انسانیت کی بنا پر مساوات و جمہوریت

اسلام سے پہلے انسان انسان سے نفرت کرتا تھا کالے اور گورے کے درمیان نفرت تھی آقا اور غلام کے درمیان نفرت تھی۔ اسلام نے کہا انسان سے نفرت نہ کرو محبت کرو انسان کی ذات بری نہیں ہے اس کے کام برے ہیں برے آدمی کے برے کاموں سے نفرت ہونی چاہئے کالا یا گورا، غلام ہو یا آقا سب خدا کی مخلوق ہے اور خدا نے اپنی مخلوق کو برابر بنایا۔ حضورﷺ نے فرمایا

خداوند! میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، قرآن کریم نے کہا کہ تمام انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں اور خاندانوں اور ذاتوں کی تقسیم محض پہچان وتعارف کے لئے ہے، بزرگی اور شرافت خدا ترسی سے پیدا ہوتی ہے ذات ونسل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

قریش میں رنگ ونسل کا بڑا غرور تھا وہ اپنے مقابلہ میں تمام لوگوں کو ذلیل سمجھتے تھے۔

حضورﷺ نے حجتہ الوداع کے عظیم مجمع میں ارشاد فرمایا۔

(کسی عربی کو عجمی پر کوئی بڑائی حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل ہے)

انسانی شرف کے اس اعلان نے بناوٹی عزتوں کی بنیادیں ہلا دیں۔

سینکڑوں برس کے پسماندہ طبقے ابھرے۔ چھوت چھات کی جگہ انسانی بھائی چارہ پیدا ہوا ہر انسان کیلئے ترقی کی راہیں کھلیں۔ اس نظریے سے جمہوریت نے جنم لیا جاگیرداری اور شخصی حکومت کا دور ختم ہوا۔

چھٹا اصول......اقتصادی اونچ نیچ کا خاتمہ

اقتصادی نابرابری اور معاشی اونچ نیچ بھی انسان کو انسان سے الگ کئے ہوئے تھی ایک انسان اتنا دولت مند کہ عیش وراحت اسکے گھر کی لونڈی معلوم ہوتی تھی۔ دوسرا اتنا غریب تھا کہ اس کی زندگی جانوروں سے بدتر تھی۔

رحمت عالم ﷺ نے اس فرق کو مٹایا۔ دولت مند کی دولت پر غریب کے حقوق قائم کئے اور اس سے دولت لے کر غریبوں میں تقسیم کی دولت کو گاڑ کر رکھنے کی ممانعت فرمائی۔

مزدور کی محنت کو سراہا۔ سرمایہ کے ساتھ محنت کی فضیلت قائم کی۔ انفرادی آزادی کا احترام باقی رکھتے ہوئے روٹی کپڑا اور مکان کی ضروریات کی ذمہ داری حکومت پر ڈالی۔

عیش وراحت کی حدود قائم کئے سونا اور چاندی مردوں پر حرام کیا۔ ناچ ورنگ، شراب وجوا ممنوع قرار دیئے۔

ظاہر ہے کہ نہ عیش وطرب کی کھلی آزادی ہوگی اور نہ دولت پانی کی طرح بہائی جائے گی۔ اس طرح حضورؐ نے معیشت کا ایک متوازن نظام بنایا۔

دنیا نے دیکھا کہ اسلام کا معاشی نظام چند روز کے اندر ہی رفاہیت اور خوشحالی کا کتنا شاندار دور لے آیا۔

غربت ختم ہوئی دولت کے ساتھ محبت کرنے والے اس سے نفرت کرنے لگے لوگ زکوٰۃ کی رقم لے کر نکلتے تھے مگر انہیں زکوٰۃ لینے والے محتاج نہ ملتے تھے اس مساوات وبرابری کے معاشی نظام نے امیر وغریب کا فرق مٹایا۔ اور اس راستہ سے انسانوں کے اندر جو اختلاف اور جھگڑا تھا وہ باقی نہ رہا۔

ساتواں اصول......سماجی تفاوت کا خاتمہ

ذات برادری کی بنیاد پر ایک انسان دوسرے انسان کو حقیر وذلیل سمجھتا تھا۔ مذہب کا ماننے والا بھی دوسرے مذہب کے ماننے والے کو ذلیل کہتا تھا۔ رحمت عالم ﷺ نے انسان

کی پیشانی سے ذلت کا مصنوعی داغ مٹایا قرآن کریم نے اعلان کیا۔
''ہم نے اولاد آدم کو بزرگی اور عزت بخشی ہے''۔(سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵) کسی مذہب کا ماننے والا ہو کسی ذات سے تعلق رکھتا ہو کسی قسم کو پیشہ ور ہو، کالا ہو یا گورا۔ سب باعزت ہیں۔ آدم کی بزرگی ان کی تمام اولاد کو ورثہ میں ملی ہے۔ کوئی انسان اس بزرگی سے محروم نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں آتا ہے ''جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں رکھتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے'' (مشکوۃ شریف)

حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص عمر رسیدہ انسان کی عزت کرتا ہے خدا تعالیٰ اسے اس وقت تک موت نہیں دیتا جب تک کہ اسکے چھوٹوں سے اسکی عزت نہیں کرا دیتا۔ عمر رسیدہ اور بوڑھا آدمی کسی مذہب وملت کا ہو قابل احترام ہے۔

اسلام نے انسان کے جوٹھا کو پاک قرار دیا۔ کیونکہ انسان گندہ نہیں ہوتا۔ ہاں اس کے گندے کام اس کو گندہ کر دیتے ہیں۔

آج کی دنیا وحدت انسانی کی ضرورت محسوس کر رہی ہے۔ سائنس کی ایجادات نے تمام فاصلے ختم کر دیئے ہیں۔ تمام دیواریں منہدم کر دی ہیں۔

لیکن یہ وحدت واتحاد کس طرح قائم ہوسکتا ہے؟ اسکی ایک ہی شکل ہے کہ اسلامی اصولوں پر عمل کیا جائے۔ آج غریب کی ہمدردی' انصاف' مساوات' جیسے نعرے لگانے سے کام نہیں چل سکتا۔

سب سے زیادہ ذمہ داری مسلمانوں پر ہے مسلمان اسلام کے نام لیوا ہیں۔ سب سے پہلے انکا فرض ہے کہ وہ اپنے معاشرہ میں ان اصولوں کو نافذ کریں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو سیرت پاک کا نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کریں۔

شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ

(۱۹۹۲ء۔۱۹۰۵ء)

زیرِ نظر مضمون "سبدِ گل (خاکے)" سے ماخوذ ہے، متعدد دینی شخصیات کے سوانحی خاکوں پر مشتمل یہ کتاب ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی کا قلمی شاہکار ہے۔ ڈاکٹر صاحب، برصغیر کے معروف علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے والد محترم مولانا محمد عبدالعلیم ندوی، حیدرآباد کی ممتاز علمی شخصیت تھے، ان کے چچا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم ندوی اور مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، اور کئی کتابوں کے مصنفین تھے۔ (ادارہ)

علم کا اولین مقصد حق تعالیٰ شانہٗ کا عرفان ہے۔ یعنی اللہ جل علیٰ جن اسمائے حسنیٰ اور افعال باہرہ (نمایاں) سے موصوف ومتصف ہیں وہ اس کائنات کے لامتناہی سلسلے میں اور نفس انسانی کے جملے احوال وآثار میں کس درجہ جاری وساری ہیں یہ ادراک رکھنے والے ہی حقیقی معنی میں صاحب علم کہلانے کے مستحق ہیں۔ صاحبانِ علم جب تصفیۂ باطن، کمال تبتل (ہر چیز سے کٹ کر مکمل طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہونا) اور دوامِ توجہ سے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں جہاں ذات وصفات کے تمام حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور توالی (تسلسل) تجلیات سے ان پر "حیرت نظارہ" کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، ان کے قلوب پر حق تعالیٰ کی عظمت وجلالت، خوف وخشیت اور محبت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے تو وہ ہر لمحہ سرمستی وسرشاری کے عالم میں الوہیت وربوبیت کے مشاہدے سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں یہی لوگ ہیں جو صراط مستقیم کے جادہ پیما (راہی

منزل) ہیں، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، ان کی پاکیزہ فطرت دریائے توحید میں غرق رہتی ہے، یہ اپنے نورِ بصیرت سے تہہ بہ تہہ حجابات میں مستور حقائق کا چشمِ ظاہر بیں سے مشاہدہ کرتے ہیں، فضلِ ربانی اور موہبتِ (عطیہ) رحمانی کے سبب دنیا جہاں کی نعمتیں ان کے آگے دست بستہ رہتی ہیں۔ کامیابی و کامرانی ان کی ہم رکاب رہتی ہیں، دعائے مسموع (وہ دُعاء جو اللہ کے ہاں سنی جائے) انہیں حاصل ہوتی ہے، مستجاب الدعوات کے لقب سے یہ ملقب ہو جاتے ہیں اور خلقِ خدا ان سے فیض یاب ہو کر اپنی دنیا و آخرت کے راستوں کو روشن و منور کر لیتی ہے:

عارف دل وجانِ تو معین سازد　　　خارے کہ کند بجاش گلشن سازد
کامل ہمہ را ز نقص بروں آرد　　　یک شمع ہزار شمع روشن سازد

ایسے ہی روشن ضمیر نفوسِ قدسیہ پر مشتمل طبقہ ہر دور میں مخلوقِ خدا کی رہبری و دستگیری کے لیے سرگرم عمل رہا ہے۔ ہندوستان میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے لے کر خانوادہ شاہ ولی اللہ تک کے مشائخ کرام نے تسلسل سے سیاسی، معاشی و معاشرتی نظام کی بہتری کے لیے ہر ممکن سعی فرمائی۔ ان ہی بزرگان دین نے گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر رشد و ہدایت کا ایک مؤثر نظام قائم کیا، انقلاب انگیز اور عہد آفریں تحریکوں کی سرپرستی فرمائی اور آج بھی ان کے خلفاء منتسبین اس مادہ پرست دور میں احیائے سنت نبوی ﷺ کے باب میں تحریک و ترغیب اور تحریص و تشویق کے ذریعے رشد و ہدایت میں مصروف ہیں۔ خانوادۂ شاہ ولی اللہ اور سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا جو فیض جاری ہوا اس میں دو چیزیں سب سے نمایاں تھیں، ایک جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونا، دوسرا ذکر و فکر سے اندرونی قویٰ کو اس درجے مضبوط و مستحکم کر لینا کہ اس سے ہر طرف کے خطرات کا سدباب کیا جا سکے۔ چنانچہ اس ضمن میں دونوں کے جامع حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کوشش اور کاوشیں اظہر من الشمس ہیں۔

قطب عالم حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ میں بہت سی نسبتیں جمع تھیں،

چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ مجددیہ سلاسلِ عالیہ سے ان کو نسبت تھی، انہیں ایک طرف سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ میں حضرت میاں جیو عبدالرحیم سہارن پوری سے خلافت و اجازت حاصل تھی تو دوسری طرف حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ سے چشتیہ قادریہ سلسلے میں۔ یہ نسبت تھی جس کے تحت انہوں نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی تربیت کی تھی۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ خود بھی حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے ساتھ جہادی سرگرمیوں میں پیش پیش تھے۔ ریشمی رومال تحریک کی ہند میں سرپرستی فرماتے رہے تھے اور اپنے مرید خاص حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو بھی معاونت میں ساتھ رکھا اور ہدایت فرمائی کہ میرے بعد حضرت شیخ الہندؒ کا ساتھ دیتے رہنا۔ سیاسی و ملی تحریکات میں برابر شریک رہنا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے، سوانح حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ میں اس کو بہت واضح طور پر بیان کیا ہے۔

ہمارے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ قدس سرہٗ، حضرت قطب عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے حقیقی نواسے ہیں۔ انہیں کی آغوش میں رہ کر بڑے ہوئے۔ ان ہی کی قلبی توجہات انہیں حاصل ہوئیں، سلوک کے منازل بھی انہیں نے طے کرائے۔ ان کے والد خود حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔ ان کا نام "عبدالعزیز" بھی حضرت گنگوہیؒ کا تجویز کردہ تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت اقدس خلیل احمد سہارن پوریؒ کی نوازشات قلبیہ سے سیرابی کا بھی موقع ملا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے نصف صدی یعنی کامل پینتالیس سال حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی خدمت اقدس میں رہ کر فیض باطنی حاصل کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اخلاق و کردار، عادات و اطوار کے ساتھ ساتھ صورت و شکل میں بھی حضرت اقدس رائے پوریؒ کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ ایک ہی خاندان کے افراد میں بہت سی باتیں مشترک ہوتی ہیں، رنگ روپ، رفتار و گفتار سب میں مماثلت ہوتی ہے، باپ دادا کے اثرات یکساں منتقل ہوتے چلے آتے ہیں۔ اب تو جنیٹک سائنس (Genetic Science) نے اس کو ثابت بھی کر دیا ہے۔ عجیب دور آیا ہے جس کو دیکھو سید بنا ہوا ہے۔ خاندان رسالت مآب ﷺ سے نسبت کے کچھ اثرات ان میں نظر نہیں آتے اور لوگ ہیں کہ بزعم خود سید بنے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ راجپوت النسل تھے۔ دور دور تک شاہ عبدالقادرؒ صاحب سے کوئی خاندانی نسبت نہیں تھی۔ والد صاحبؒ نے بتایا، انتقال سے چند روز پہلے حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب نے ایک روز حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب سے فرمایا، آؤ، حافظ صاحب! گلے ملیں۔ اس طرح تین مرتبہ دیر دیر تک گلے لگے رہے لوگوں نے دیکھا کہ نسبت منتقل ہو رہی ہے۔ جب حضرت اقدس کا انتقال ہو گیا تو کچھ ہی دنوں بعد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ شکل وصورت، رفتار و گفتار سب میں حضرت اقدس کے مشابہ ہو گئے۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ بخاری پڑھاتے وقت فرمایا کرتے تھے "القائے نسبت" سے ظاہری شکل وصورت میں تغیر و تبدل کی زندہ مثال ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ کی صورت میں دیکھ لی۔

مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ سے ہماری ملاقات والد صاحب کے ساتھ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ہوئی تھی۔ سفید لباس میں ملبوس بڑی بارعب شخصیت معلوم ہوئے۔ چہرہ نورانی تھا اور ایک خاص قسم کی کشش کا حامل کہ دیکھتے ہی دل خود بخود ان کی طرف کھنچنے لگتا تھا۔ والد صاحب نے ملایا، تعارف کرایا، مصافحے کے لیے جب ان کے نرم و ملائم ہاتھوں میں ہاتھ دیا تو ایک خاص قسم کی حرارت قلب و جگر میں اترتی چلی گئی۔ حضرت بہت ہی شفقت و محبت سے ملے۔ حال دریافت کیا اور اپنے برابر بٹھایا۔ میں خاموش حضرت کے پاس بیٹھا رہا اور وہ حاضرین کو تلقین کرتے رہے، کھانا بھی ساتھ ہی کھایا۔ حضرت کا دستور تھا کہ ایک پلیٹ میں دو آدمی مل کر کھائیں، تنہا کھانے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ پوری محفل پر ان کی نظر تھی۔ اس پہلی ہی ملاقات میں اُن کی شخصیت بڑی جاذب نظر معلوم ہوئی۔ ایک مرتبہ مولانا خورشید احمد صاحب گھر تشریف لائے غالباً حضرت مدنیؒ کے خلیفہ تھے۔ بڑے مسکین، عبادت گزار آدمی تھے، مغرب کے بعد ذکر بالجہر میں مشغول ہو گئے پورے ایک دن ایک رات گھر پر رہے۔ جب وہ چلے گئے تو والد صاحب نے ہم سے پوچھا، آپ کو مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری اور ان میں کون سی شخصیت پسند آئی، ہم نے بے ساختہ کہا، حضرت رائے پوری کی۔ پھر پوچھا، اس کی کوئی خاص وجہ ہے، ہم نے عرض کیا حضرت رائے پوری کی شخصیت میں رعب و دبدبہ ہے اور

مولانا خورشید صاحب کے ہاں مسکینیت غالب ہے مسلمانوں میں اتنی بھی مسکینیت نہیں ہونی چاہیے کہ لوگ انہیں کم زور اور بودا سمجھیں۔ یہ رائے ہماری کچھ کم سنی کچھ لاعلمی کے سبب سے تھی، ورنہ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است (ہر پھول کا اپنا رنگ اور خوشبو ہوتی ہے)

والد صاحبؒ سے حضرت کا خصوصی تعلق تھا۔ ایک مرتبہ حیدر آباد میں بطور خاص ہمارے گھر تشریف لائے۔ بہت سے لوگ حضرت کے ساتھ تھے یہ ہماری دوسری ملاقات تھی۔ ذکر و شغل اپنی جگہ، مگر اتباع سنت کا ہر لحہ خیال رکھتے تھے۔ عام طور پر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ شفایابی کے لیے پانی پر دم کر کے دیتے ہیں، مگر حضرت کی خدمت میں جب بھی پانی دم کرنے کے لیے پیش کرتے تو وہ پہلے ایک گھونٹ پانی پیتے اس کے بعد دم کر کے دیتے۔ اس طرح سُؤرِ الْمُؤمِنِ شِفَاءٌ (مومن کا جھوٹا شفاء ہے) والی حدیث پر عمل بھی ہو جاتا۔ حضرت کی طبیعت میں مزاح بھی تھا آموں کا زمانہ تھا والدہ صاحبہ نے آموں کی قاشیں بنا کر دو ٹرے میں سجادیں میں نے ایک ٹرے حاضرین کے آگے رکھ دی اور ایک حضرت کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کی کہ حضرت اسے تبرک کر دیں۔ فوراً ہی حضرت نے فرمایا، میاں آم تبرک نہیں کیا جاتا۔ آم تو کھایا جاتا ہے اور حضرت نے وہ بھی حاضرین کے آگے بڑھا دیں البتہ چند قاشیں چھوڑ دیں۔ قلوب پر ان کا رعب ایسا تھا کہ ان کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ بلاشبہ مومن تو اللہ رب العزت کی زبان (بات) منہ میں رکھ کر بولتا ہے پھر کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ مقابل کوئی بول سکے۔

رابطۂ عالمِ اسلامی کی کانفرنس کے سلسلے میں ہندوستان سے بہت سے علماء کراچی تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہیں دنوں حضرت بھی نیو ٹاؤن میں مقیم تھے۔ میں نے خود دیکھا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور دوسرے علماء سے حضرت ناراضی کے لہجے میں گویا تھے کہ تم لوگوں نے میرے شیخ کے ساتھ اچھا نہیں کیا، اور ہر ایک نظریں نیچی کیے یہی کہہ رہا تھا کہ حضرت غلطی ہوگئی، لیکن جب مولانا اسعد مدنی ملنے آئے تو حضرت نہایت نرم لہجے میں نہایت شفقت و محبت سے ملے۔ ان کی یہی ادائیں ہمیں اچھی لگتیں، معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخصیت ہے جس کے سامنے بڑے بڑوں کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری کی یوں تو ہر ادا پسندیدہ تھی، مگر میں نے خصوصیت سے یہ بات نوٹ کی کہ وہ نوجوانوں پر خصوصی توجہ مرکوز رکھتے تھے، ان کے ہر ہر عمل پر پوری نظر تھی۔ وہ جانتے تھے کہ تعلیم یافتہ نوجوان ہی معاشرتی زندگی میں انقلاب برپا کرسکتا ہے۔ یہی ایک طبقہ ہے جو دین کا محافظ اور اس کا رکھوالا ہوسکتا ہے اسی لیے نوجوانوں کو اپنے قریب لاتے تھے۔ میں اس زمانے میں ڈاڑھی نہیں رکھتا تھا اس بنیاد پر انہوں نے نہ مجھ پر فاسق وفاجر کا حکم لگایا نہ دھتکارا اور نہ ہی مجھ سے کنارہ کش رہے بلکہ اس کے برعکس بہت محبت سے ملے اس انداز میں نصیحتیں کیں کہ روز بروز مؤثر ہوتی چلی گئیں۔ بعض ہمارے بزرگ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اگر بزرگوں کا یہی طریقہ رہا تو یقین ہے کہ یہ نوجوان نسل مستقبل قریب میں ان سے روز بروز دور ہوتی چلی جائے گی اور کفر والحاد کا رنگ ان پر چڑھتا ہی جائے گا۔ اس کے نتائج معلوم ہیں۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ بزرگان دین اپنے حسن خلق اور توجہ خاص سے اس طبقے کو اپنے قریب لائیں ان کی تربیت کریں کہ یہی دین کا ہراول دستہ ثابت ہوگا۔

وقت گزرتا گیا، والد صاحب (مولانا عبدالعلیم ندوی) کا انتقال ہوگیا۔ اب مجھے بہت قلق تھا کہ میں والد صاحب سے بیعت نہیں ہوا۔ مجھے معلوم بھی تھا کہ والد صاحب کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ ومجاز حضرت شیخ حیدر حسن خان صاحب سے اجازت تھی۔ اس کے علاوہ میرے سامنے مولانا فضل اللہ الصمد خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے اجازت دی تھی۔ ان کے بعد تو دور دور تک کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا جن کی طرف طبیعت رجوع کرتی۔ کراچی میں صرف حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ تھے ان ہی پر نظریں جاتی تھیں۔ وہاں ایک مرتبہ ہم گئے بھی، مگر بہت ہجوم دیکھا یہی خیال دامن گیر رہا کہ یہاں ہم پر توجہ نہیں ہوگی بس قسمت میں نہیں تھا۔ اسی دوران میں نے خواب دیکھا کہ والد صاحب میرے گھر آئے ہوئے ہیں وضو فرمارہے ہیں اور ایک کمرے میں شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری نیت باندھے کھڑے ہیں۔ میں اپنے دل میں کہہ رہا ہوں کہ مولوی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے یہ مجھے بیعت کرنے آئے ہیں۔ پھر میری آنکھ کھل گئی،

میں نے یہ خواب مولانا (عبدالرشید) نعمانی سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا، حضرت رائے پوری زندہ ہیں یہ اشارہ ہے تم ان سے بیعت ہو جاؤ۔ اس وقت حضرت صاحب فراش تھے۔ اہلیہ کے پی ایچ ڈی کے سلسلے میں لاہور جانا ہی تھا چنانچہ میں اپنی اہلیہ اور بچوں کے ساتھ سرگودھا پہنچا حضرت شاہ سعید احمد صاحب نے خصوصی توجہ دی اور میری درخواست پر ہم سب کو حضرت سے بیعت کرایا۔ اس طرح میرا حضرت سے قلبی تعلق قائم ہوگیا۔

حضرت کے جانشین اور خلفِ اکبر حضرت شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری مدظلہ العالیٰ سے تعلق خاطر ہے۔ جب بھی حضرت کراچی تشریف لاتے ہیں ناچیز کو بطورِ خاص یاد فرماتے ہیں۔ نہایت محبت وشفقت سے پیش آتے ہیں، والد صاحب کے تعلق سے خصوصی توجہ مرکوز رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کے تناظر میں جس طرح وہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو باوجود مخالفت کے ساتھ لے کر چل رہے ہیں یقیناً یہ بہت عظیم کام ہے اور وقت کا تقاضا بھی ہے۔ خانقاہی نظام سے جس طرح سلف صالحین نے انقلاب برپا کیا تھا امید ہے کہ اسی طرح خانقاہ رائے پور سے مستقبل قریب میں انقلاب برپا ہوگا، دنیا کا نظام دین کے تابع ہو کر چلے گا۔ آں جناب (حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ) کی ساری جدوجہد اسی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کامیابی وکامرانی سے سرفراز فرمائے اور حضرت کو ہمت واستقامت دے کہ وہ یہ کام اسی مستعدی سے کرتے رہیں۔ آمین

جہاد کا نبوی فلسفہ اور حکمت عملی

☆ نبی کریم تاریخ انسانی میں ایسے فلسفہ جہاد کے نقیب اور جنگی حکمت عملی کے ماہر کے طور پر سامنے آتے ہیں جو عالمی امن کی اعلیٰ ترین ضمانت ہے۔قرآنی تعلیمات کی روشنی میں آپ کا نظریہ جنگ اور جنگی اصول اقوام عالم کیلئے روشنی کا مینار ہیں۔

☆ جہاد کے لغوی معنی اعلیٰ درجہ کی وہ کوشش ہے جو کسی معین مقصد کیلئے کی جائے اور اصطلاح میں اس کوشش اور محنت کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کیلئے اللہ کی راہ میں ایک عادلانہ معاشرے کے قیام کیلئے کی جائے

☆ یوں تو جہاد دامے درمے قدمے سخنے کی گئی ہر کوشش پر محیط ہے قتال اس کی آخری شکل ہے اور جس کا مطلب مقاصد کے حصول کیلئے طاقت کا استعمال یا جنگ ہے

☆ قرآن کریم کی رو سے یہ جدوجہد اسی وقت جہاد قرار دی جاسکتی ہے جبکہ اس میں نہ نسلی اقتدار کا کوئی تصور سامنے ہو اور نہ فرقہ پرستی اور دھڑے بندی کی کوئی شکل فتنہ وفساد برپا کر سکے۔

☆ نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں قتال کی نوبت کب آتی ہے۔یہ کس مقصد کیلئے کیا جاتا ہے اور کن طاقتوں کے خلاف کیا جاتا ہے یہ جنگ اور قتال کے حوالہ سے بنیادی نقاط ہیں جن کا سمجھنا لازم ہے اور اس کیلئے ہمیں نبی کریم ﷺ کے سارے پیغام اور اس کے فلسفہ کو سمجھنا ہوگا۔

☆ تمام انبیاء کرام اور نبی کریم ﷺ ایک ہی بنیادی مشن کیلئے آئے اور وہ ہے توحید' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے تصور میں وحدت انسانیت اور وحدت کائنات کے سب تصورات سمو جاتے ہیں توحید کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ جانے کہ آسمان وزمین میں حقیقی وجود اسی کا ہے اور یہ کائنات اسی کا فیضان ہے

☆اسی ایمان باللہ کی ایک منزل انسان دوستی ہے اگر انسان یہ یقین رکھتا ہے کہ سارے انسان اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اس کو اپنے خالق حقیقی سے محبت ہے تو لازمی ہے کہ اس کو اس کی مخلوق سے بھی محبت ہو اور وہ مخلوقات کی بہبود میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تلاش کرے۔

☆چنانچہ انسانیت کا تزکیہ اور ارتقاء نبی کریم ﷺ کا اعلیٰ ترین مقصد ہے۔آپ کا پیغام ہے کہ سب انسان ایک ہیں۔رنگ ونسل اور قوم کا فرق حقیقی نہیں۔دھڑے بندیاں اور گروہ بنانے کی فرقہ وارانہ ذہنیت غلط ہے اور عیال اللہ کے فلسفہ کے تحت ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور سارے انسانوں کو اسی سے ناطہ جوڑنا ہے۔

☆ایمان باللہ اور انسان دوستی کا یہی وہ جذبہ تھا کہ جس نے آپ ﷺ کو گھر کا آرام وسکون قربان کر کے اولاد آدم کو راہ راست پر لانے کیلئے بے تاب کر دیا تھا، دنیا کی ہر نعمت میسر ہونے کے باوجود دوسروں کا دکھ اور ان کی گمراہی آپ کو بے چین کئے دیتی تھی۔چنانچہ آپ مکے میں اپنا پیغام سناتے' طائف والوں کو جا کر حق کی دعوت دیتے اور سختیوں کو برداشت کرتے اور سختیاں اور ستم کرنے والوں کو بددعا نہیں بلکہ دُعا دیتے۔

☆لیکن تاریخ میں اکثر یہ ہوتا ہے کچھ لوگ یا طبقات بھلائی سچائی اور عدل واحسان کی بات کو نہ صرف سمجھتے نہیں اور قبول نہیں کرتے بلکہ اس کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں وہ زمین پر الٰہی اختیارات کے مالک بن بیٹھتے ہیں اور عام انسانیت کو محروم ومقہور بنا کر ان کیلئے نیکی اور صالحیت کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔

☆وہ تمام مادی وسائل پر قبضہ کر کے غیر عادلانہ نظام قائم کرتے ہیں وہ خدا کی زمین پر اودھم مچاتے ہیں اور اہل زمین کو فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔وہ صرف برے افراد نہیں رہتے بلکہ سراپا برائی بن جاتے ہیں۔

☆ایسی صورت میں قرآنی فلسفہ کی روشنی میں ان کے خلاف حکمت کے ساتھ طاقت کا استعمال نبی کریم کی تعلیمات میں شامل ہے اگر کچھ لوگ زمین پر الٰہ بن بیٹھیں، تو اس کا مطلب ہے کہ وہ انسانیت کیلئے الا اللہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، چنانچہ پہلے

غیراللہ کا انکار لازمی ہے اور اسی غیراللہ کے انکار کی عملی جدوجہد اور اس کے خلاف طاقت کا استعمال جہاد ہے۔

☆امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں ''جہاد ایک مقدس عداوت ہے جو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات سے بالکل پاک صرف عمومی مفاد اور انسانیت کے اعلیٰ مقاصد اور بلند تر مصالح کیلئے ہو۔قتل کرنے یا قید کر لینے کی صورت میں اس پاک عداوت کا ہر شوکت ظہور، جہاد ہے۔''

☆مولانا محمد میاںؒ کہتے ہیں عداوت اور دشمنی کیساتھ پاک کا لفظ اجنبی ہے مگر جہاد کیلئے یہ اجنبی صفت لازمی ہے کیونکہ اپنی جان دینے یا دوسرے کی جان لینے کیلئے کسی بھی ذاتی غرض یا کسی بھی نفسانی خواہش کی ذرا بھی آمیزش ہوگی تو یہ جہاد نہیں بلکہ وحشت اور ظلم ہوگا۔

☆حضور اکرمؐ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری کی نمائش کیلئے جہاد میں شریک ہوتا ہے، کوئی شخص نسلی یا قبائلی حمیت وغیرت کی بنا پر جنگ کرتا ہے، کیا اس کو فی سبیل اللہ کہا جائے گا۔فرمایا فی سبیل اللہ اور راہ خدا میں اس شخص کا جہاد مانا جائے گا جو اس لئے قربانی پیش کر رہا ہے کہ اللہ کا بول بالا اور حق وصداقت کی بات اونچی ہو۔

☆قرآنی فلسفہ کے تحت نبی کریمؐ کی تعلیمات کی روشنی میں جہاد کے وقت ایک حق پرست اپنے آپ کچھ نہیں ہوگا۔وہ جو کچھ ہوگا مقاصد حق وصداقت کا الہٰ کار رہوگا، حق وصداقت کا جو بھی تقاضا ہوگا وہ اس کی عین تمنا اور آخری آرزو ہوگی۔اور اس کی تکمیل کیلئے وہ اپنا سب کچھ قربان کر رہا ہوگا۔

☆وہ اپنی ذاتی اغراض اور نفس کی خواہش سے یہاں تک دستبردار ہو چکا ہوگا کہ بہادری کی نمائش ،اپنے قبیلہ یا خاندان کی عزت وشہرت، سیاسی دنیا میں نام آوری یا صفات تاریخ میں تذکرہ کا تصور بھی اس کے دماغ کو منتشر نہ کر سکے گا۔

☆اس عمل میں ایک فریق کو شکست دے کر ختم کر دینے کا جذبہ یقیناً کارفرما ہوگا مگر یہ جذبہ ہر قسم کی خودغرضی اور تنگ نظری سے پاک ہوگا اور یہ عمل (قتال) اُس وقت ہوگا

جبکہ اصلاح کی تمام کوششیں ختم ہو چکی ہوں۔ اور انسانی اجتماعیت کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کیلئے اس آپریشن کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا ہو۔

☆ اور جب ایسا موقع آجائے تو پھر بھی طاقت کا استعمال بے محابا نہیں ہوگا۔ اس کے خاص اصول ہوں گے۔ چنانچہ حضور اکرمؐ کو جتنے غزوات پیش آئے ان میں آپؐ نے اعلیٰ ترین انسانی اخلاقی اصولوں پر عمل کیا اور آئندہ کیلئے انہیں لازوال اصول بنادیا۔ مثلاً

۱۔ آپؐ نے حکم فرمایا کہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ جو لوگ لڑائی میں شریک نہ ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے۔

۳۔ عین لڑائی میں اور صف جنگ میں جو مغلوب ہو جائیں ان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۴۔ دشمن کے مکانات نہ جلائے جائیں۔

۵۔ پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں۔

۶۔ فصلوں کو بلاوجہ نقصان نہ پہنچایا جائے۔

۷۔ صلح کے معاہدوں اور امن کو ہر حالت میں برقرار رکھا جائے۔

۸۔ اگر مسلمانوں میں کوئی شخص کسی کافر کو امان دے تو اس سے تعرض نہ کیا جائے۔

۹۔ ظالمانہ طریقہ سے مثلہ نہ کیا جائے اور اذیتیں نہ پہنچائی جائیں۔

۱۰۔ سپہ سالار تقویٰ اختیار کریں اور جنگ میں جو ساتھ ہوں ان سے اچھا سلوک کریں۔

☆ نبی کریمؐ کی طرف سے پیش کردہ ان پاکیزہ جنگی اصولوں کے آئینے میں اگر ہم آج دنیا میں مذہب کے نام پر ہونے والی پر تشدد کاروائیوں، ایٹم بم کے استعمال اور ایٹمی جنگ کی ہولناکیوں کو دیکھیں تو ہم پر ان کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور ہمارے لئے ان کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

☆ ان اخلاقی اصولوں کے علاوہ نبی کریمؐ نے جنگوں میں ایسی حکمت عملی اپنائی جس سے اعلیٰ انسانی مقاصد کیلئے کی گئی ان جنگوں کو کامیابی سے ہمکنار کیا

☆ جنگ بدر کے بارے میں حکمت عملی طے کرنے کیلئے آپ نے انصار ومہاجرین صحابہ کرام سے مشاورت کی۔ موزوں جگہ کا انتخاب کیا، پانی کے چشموں پر

بروقت قبضہ کیا، لیکن دشمن کیلئے پانی بند نہیں کیا، جنگ میں شریک صحابہ کرامؓ کو جنگ سے پہلی رات سکون سے سونے کا موقع دیا، اور خود سر بسجود رہے اپنی فوج میں نظم وضبط کی اعلیٰ درجہ کی صلاحتیں پیدا کیں۔

☆ جنگ احد میں آپؐ نے جو منصوبہ بندی کی اور جنگی نقطہ نگاہ سے جس جس مقام پر صحابہ کرامؓ کو تعینات فرمایا۔اس سے کامیابی ہوئی لیکن اس سے ذاری غفلت نے ہزیمت سے دوچار کر دیا۔

☆ جنگ خندق میں آپ کی خندق کھودنے کی حکمت عملی کامیابی کی نوید لائی۔

☆ صلح حدیبیہ میں بیعت رضوان اور آپ کی صلح کی حکمت عملی تاریخ ساز کامیابی کا پیغام لائی۔اس صلح میں آپ کی طرف سے معاہدے کی شرائط پہ دستخط کرنا حکمت ودانش کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

☆ غزوہ خیبر میں حضرت علیؓ کو مرحب کے مقابلے میں بھیجنے کا فیصلہ کامیابی کا مژدہ لایا۔

☆ فتح مکہ کے وقت فوجوں کی ترتیب وتشکیل اور اپنے اپنے قبیلے کے پرچم کے ساتھ ان کا مارچ دشمن کو مرعوب کرنے اور شکست سے دوچار کرنے کی کامیاب حکمت عملی ثابت ہوئی۔

☆ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ تمام غزوات میں جنگی حکمت عملی کے بہترین ماہر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

☆ نبی کریمؐ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ طاقت کا یہ استعمال برائی کے مرتکب عام افراد کے خلاف نہیں ہوگا اور نہ اس کا محرک نفرت کا جذبہ ہوگا بلکہ یہ ان رکاوٹوں کے خلاف ہوگا جو انسانوں کو انسانی صفات سے دور رکھنے کا سبب ہیں۔کلمہ حق بھی ہے اور جہاد کے یہی معنی ہیں جہاد کا مقصد بدی کا خاتمہ ہے اور بدی سے جنگ انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

☆ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی تعلیمات کے مطابق اسلام کی جنگ کفر کے خلاف نہیں، ظلم کے خلاف ہے کافر تو اسلام کی وہ کھیتی ہے جس میں اخلاق حسنہ کی محنت کر کے مسلمان فصل حاصل کرتے ہیں اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر قسم کے دکھ

اور تکلیفیں برداشت کر کے کفر اور گمراہی میں پڑی انسانیت کو ایمان اور راہ راست پر لانے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

☆اس میں ایک طرف آپ اپنی راہ میں کانٹے بچھانے والی عورت سے بھی خیریت دریافت کرتے ہیں اور دوسری طرف اس راہ میں رکاوٹ بننے والی بڑی طاقتوں سے ٹکرا جاتے ہیں اور تمام عمر جدوجہد اور جہاد میں گزار دیتے ہیں

☆ہم جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ہدایت کی روشنی میں تاریخ اسلام میں ہمارے دور عروج میں جب کسی ظالم طاقت سے جنگ ہوتی تو اس کے سامنے تین اختیارات رکھے جاتے جن میں سے ایک کو تسلیم کرنا لازمی تھا۔

☆اول، آپ ہمارا کلمہ پڑھ لیں۔ یعنی ہمارے نظام فلسفہ دونوں کو مان لیں۔

☆دوم، آپ ہماری سلطنت میں شامل ہو جائیں اور جزیہ دینا مان لیں یعنی ہمارے اقتصادی اور ہمہ گیر عادلانہ نظام کو مان لیں۔

☆سوم، ہمارے ساتھ جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔

☆یہ حقیقت واضح طور پر اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ آپ ؐ کی تعلیمات کی رو سے کسی قوم سے محض اس لئے جنگ نہیں ہوسکتی کہ وہ کافر ہے اگر وہ اپنا ظالمانہ نظام ختم کر کے ہمارا عادلانہ نظام قبول کر لیتی ہے لیکن اپنا مذہب چھوڑ کر ہمارا مذہب اختیار نہیں کرتی تو اس سے کفر کے نام پر قطعاً جنگ نہیں ہوگی اور اسے طاقت کے زور پر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لا اکراہ فی الدین (سورۃ البقرہ)۔ لیکن اگر وہ یہ بھی نہیں مانتی تو پھر اس سے اعلان جنگ ہوگا اور یہ جنگ اس پہ مسلط طاقت سے ہوگی۔

☆ نبی کریم ؐ کا پیش کردہ یہ قرآنی فلسفہ اس قدر بلند ہے اور اس میں اتنی ہمہ گیری ہے کہ اس میں ساری انسانیت سمو جاتی ہے اس سے دنیا کے تمام فرقہ وارانہ مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ مذہب کے نام پر متشددانہ رویوں اور اقدامات کی گنجائش نہیں رہتی۔ مذہبی تنگ نظری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مذہب کے نام پر انسانیت تقسیم نہیں ہوتی اور عقیدے کے اختلاف سے سوسائٹی کا شیرازہ نہیں بکھرتا۔ اور مذہب تشدد، خونریزی اور نفرت کی علامت بن کر نہیں رہ جاتا

بلکہ امن وسلامتی اور محبت کا پیامبر بن جاتا ہے مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔

☆ دوسری طرف اس سے دنیا سے نظام ظلم کا خاتمہ ہوتا ہے۔ عادلانہ نظام کے قیام کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ انسانی وسائل پوری انسانیت کو میسر آتے ہیں، سوسائٹی علمی، سائنسی اور تہذیبی ترقی کی راہ پر گامزن ہوتی ہے، ترقی کے ثمرات سے پوری سوسائٹی مستفید ہوتی ہے۔ اپنی مادی ضرورتیں پوری کرنے کے بعد انسانیت ذہنی، اخلاقی اور روحانی ترقی کی منازل طے کرتی ہے اور مخلوق اجتماعی طور پر خالق سے رشتہ استوار کرتی ہے۔

☆ اگر مسلمان نبی کریمؐ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کے مطابق اس فلسفہ جہاد کے تحت پوری انسانیت کی خاطر قتال کریں گے اور مظلوم قوموں کو بلاتفریق مذہب وملت ظلم کی قوتوں اور طاغوتی طاقتوں سے نجات دلائیں گے تو ایک طرف انہیں اقوام عالم کی قیادت حاصل ہو جائے گی اور دوسری طرف نجات پانے والی قومیں اسلام کا کلمہ پڑھ لیں گی اور اسلام پھیلتا چلا جائے گا۔

☆ اور اگر آپؐ کی تعلیمات کے برعکس مذہب کی بنیاد پر انسانیت کو تقسیم کیا گیا تو نہ صرف مظلوم اقوام ظلم سے نجات حاصل نہیں کرسکیں گی بلکہ ہم پوری انسانیت کی نگہبانی کے فریضہ سے غفلت کے سبب مزید پستی میں گرتے چلے جائیں گے اور اسلام کے پھیلاؤ کا راستہ رک جائیگا۔

☆ ہمارے عروج کے ہزار سالہ دور میں اگر ایشیاء افریقہ اور یورپ کے ممالک میں اسلام پھیلا ہے اور کروڑوں کی تعداد میں ان اقوام نے ہمارا دین قبول کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کے مطابق بلاتفریق مذہب وملت مظلوم قوموں کو ظالم طاقتوں کے ظلم اور غلامی سے نجات دلائی۔

☆ طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسمؒ نے عادلانہ نظام کے نمائندہ کے طور پر جن قوموں کو ظالمانہ نظام سے نجات دلائی وہ مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلم تھے لیکن یہ نبی کریمؐ کی تعلیمات کا اعجاز تھا کہ تاریخ کے ان سپوتوں کی جدجہد اور کردار اور ہماری خانقاہوں کی فراہم کردہ پیار اور محبت کی گود کے اثر سے ان قوموں نے اسلام قبول کرلیا۔

☆ اکثر ایسا ہوا کہ کہیں سے حکمرانوں کو واپس لوٹنا پڑا تو وہاں کی غیر مسلم رعایا رو دی

اور انہوں نے ان حکمرانوں کی مورتیاں بنا کر پوجیں، تعلیمات نبویؐ کے اس اثر کی بدولت تاریخ میں ہماری سلطنت کی سرحدیں وسیع ترین ہوئیں۔

☆اس سے تاریخ کی یہ گتھی بھی سلجھتی ہے کہ حضور اکرمؐ کے دور اور بعد کے ادوار میں اسلام کیسے پھیلا مستشرقین کا یہ پیگنڈہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔لیکن نبی کریمؐ اور آپ کے بعد آپ کی تعلیمات کے زیر اثر دور عروج میں امت کا عمل یہ بتاتا ہے کہ جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے اس میں کبھی جبر نہیں ہوا اور یہ تبلیغ سے پھیلا ہے ہماری خانقاہوں میں صوفیاء کرام نے اپنے اخلاق حسنہ اور محبت سے غیر مسلموں کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ ایک ایک واقعہ میں ہزاروں کی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

☆اور جہاں تک ظلم کے نظاموں کا تعلق ہے نہ صرف ہمیں شرمندگی نہیں بلکہ فخر ہے کہ ہم نے ظلم کے نظاموں کا خاتمہ بزور طاقت کیا ہے اور انسانیت کو دکھوں اور مصیبتوں سے نجات دلائی ہے۔

☆قرآنی تعلیمات کے تحت نبی کریمؐ کے پیش کردہ اسوہ حسنہ سے نظریہ جنگ کا ایک اور اہم نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ اسلام میں صرف دفاعی جنگ نہیں ہے بلکہ صورت حال کا معروضی تقاضا ہو تو اقدامی جنگ بھی ہوسکتی ہے۔

☆نبی کریمؐ کی مکی دور کی جدوجہد اور مدنی دور کی عسکریت ہمارے لئے کچھ اور سبق بھی لئے ہوئے ہیں ان میں ہمارے لئے مزید نظریاتی نکات پنہاں ہیں۔

☆پہلے یہ کہ نظام کی تبدیلی سے پہلے تبدیلی کیلئے کی جانے والی جدوجہد عدم تشدد پہ مبنی ہوتی ہے۔ نبی کریمؐ کا مکی دور عدم تشدد کا دور ہے یہ افراد سازی کا دور ہے اس دور میں آپؐ اور آپؐ کے صحابہ نے مار کھائی ہے۔ مارا نہیں ہے۔ اس دور میں قوت جمع کی گئی ہے ہتھیار نہیں اٹھائے گئے۔

☆بات یہ ہے کہ جب تک حکومت چلانے کی استعداد پیدا نہ ہو کوئی شخص لڑ کر نیا نظام حکومت قائم نہیں کرسکتا۔ بیشک وہ لڑائی کے ذریعہ پچھلی حکومت کو تباہ تو کرسکتا ہے لیکن جب تک تربیت یافتہ آدمی اسے میسر نہ آئیں وہ نئی حکومت چلا نہیں سکتا۔ اور اس قسم کی تربیت

اور استعداد صرف عدم تشدد کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے، ہر نئی تحریک کو اپنا پیغام دوسروں تک پہچانے اور انہیں ساتھ ملانے کیلئے عدم تشدد پر لامحالہ عمل کرنا پڑتا ہے۔

☆اس کے علاوہ تشدد کے راستے پر چلنے سے ظالم اور مظلوم خلط ملط ہو جاتے ہیں۔اس سے دنیا میں مظلومیت کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے اور ظالم قوت کو سچائی کی جدوجہد کو کچلنے کا زیادہ موقعہ مل جاتا ہے۔

☆ چنانچہ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی جدوجہد تبدیلی سے پہلے ہتھیار اٹھائے گی تو اسے حضور کریمؐ کے مشن اور مقاصد سے کوئی مناسبت نہیں ہو گی۔

☆ دوسرے، یہ کہ تبدیلی کے بعد بھی یہ اصول پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جنگ اور قتال مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے مقصد نہیں، اصل مقصد برائی اور ظلم کا خاتمہ ہے۔لہذا اس دور میں بھی عدم تشدد کو چھوڑ نا ضروری نہیں ہو گا۔اگر آپ کا مقصد یعنی بُرائی اور ظلم کا خاتمہ بغیر جنگ کے حاصل ہو سکتا ہے یا ہو رہا ہو تو پھر جنگ نہ کی جائے گی۔

☆اس سلسلہ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ ہمارے سامنے بہترین مثال ہے اس موقع پر جنگ کی استعداد ہونے کے باوجود جنگ نہیں کی گئی، اور اس موقع پر اختیار کی گئی غیر جنگی حکمت عملی جلد فتح مبین ثابت ہوئی۔

☆ چنانچہ جنگ اسلام کے فلسفہ میں اصول کے طور پر شامل ہے اور ہمیشہ رہے گی۔لیکن حکمت عملی کے طور پر عدم تشدد کو اپنایا جائے گا۔اس کا مطلب ہے کہ جب حکمران جماعت یہ سمجھے کہ جنگ سے ہی نتائج حاصل ہو سکتے ہیں تو اس طریق کار کو اختیار کیا جا سکتا ہے ورنہ غیر جنگی حکمت عملی اپنائی جائے گی اور جنگ سے گریز کرتے ہوئے مقاصد کے حصول کی کوشش کی جائے گی۔

☆انسانی تاریخ کا پہلا دور طاقت کے ذریعہ غلبہ کا دور تھا آج تاریخ ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد جس مرحلہ پر موجود ہے اس میں طاقت کی جگہ شعور کی قوتوں نے لے لی ہے، آج دنیا میں ہتھیاروں کی بجائے شعور کی جنگ ہے۔چنانچہ ہمیں بھی حضور اکرمؐ کی

تعلیمات کی روشنی میں روح عصر سے مطابقت پیدا کرنی ہوگی۔

☆ آج دنیا میں مہلک کیمیائی اور ایٹمی ہتھیاروں کے خاتمہ کی جدوجہد نبی کریمؐ کے پاکیزہ جنگی اصولوں کی صدائے بازگشت ہے۔آج جنگ کے خلاف انسانیت کا ردعمل، جنگی حکمت عملی کے خلاف مظاہرے، جنگ کی ہولناکیوں سے بچاؤ کی تدابیر اور جنگ کی بجائے مذاکرات سے مسائل کے حل کی کوششیں نبی کریمؐ کے فلسفہ عدم تشدد کی برتری کا اعتراف ہے۔

☆ تاریخ کے اس موڑ پر ہمارے لئے یہ بہترین موقعہ ہے کہ ہم نبی کریمؐ کی پاکیزہ تعلیمات کے مطابق اسلام کا تعارف ایک جنگی، پرتشدد اور خونی مذہب کی بجائے امن وآشتی‘ محبت‘ بھائی چارہ اور انسان دوستی کے مذہب کے طور پر کرائیں۔امن عالم کیلئے پوری دنیا سے یکساں طور پر مہلک ہتھیاروں کے خاتمہ اور تخفیف اسلحہ کی عالمی کوششوں میں سب سے بڑھ کر شامل ہوکر عالم انسانیت پہ اپنی اخلاقی برتری ثابت کردیں۔انسانیت کی نگہبانی کا نبویؐ فریضہ انجام دیں اور دنیا کو امن ومحبت کا گہوارا بنا کر انسانیت کیلئے مادی، سائنسی، علمی، تہذیبی، اخلاقی، ذہنی اور روحانی ترقی کی راہیں کھول دیں تاکہ انسانیت اجتماعی طور پر دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوجائے۔

تحریر: محمد سعید اختر ایم اے